

صاف ہو جاتا ہے۔ ایجاب و اثبات کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہیں آتا۔ قرآن مجید نے خدا کا جو تصور پیش کیا، اس کا یہ پہلو تو بالکل واضح ہے کہ جس حد تک انسانی عقل کی پہنچ ہے، صفاتِ باری تعالیٰ کو مخلوق کی مشابہت سے پاک اور بلند رکھا جائے، اسی کو اصطلاح میں "تنزیہ" کہتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ "تعطیل" کا راستہ کھول دیا جائے، یعنی صفات کی نفی کر دی جائے۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے لیے صفاتِ خیر کا تصور پیدا کیا، ساتھ ہی مشابہتِ مخلوق کی نفی بھی کر دی۔ وہ خدا کی تمام صفات کو حسن و خوبی کی صفات قرار دیتا ہے یعنی وہ حی ہے، قیوم ہے، رب ہے، قادر ہے، رحیم ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، علیم ہے، لیکن ان صفات کا تصور عام انسانی صفات سے بالکل بالا ہے، لہذا نفی صفات کی تعبیر مرزا غالب کے اس شعر کے لیے کچھ موزوں معلوم نہیں ہوتی۔ مقصود یہ نہیں کہ مرزا غالب کے ہر شعر کو اسلامیت کی ترازو میں تولنے کی کوشش کی جائے، تاہم اگر ایسی تعبیر ممکن ہو، جو تعطیل یعنی نفی ثبات کی طرف نہ لے جائے، تو اسے اختیار کر لیتے ہیں تاہل نہ ہونا چاہیے جس حد تک میں سمجھ سکا ہوں، شعر میں بنیادی حیثیت توحید کو حاصل ہے، اسی پر مرزا نے زور دیا ہے اور توحید ہی ہر سچے اور الہامی مذہب کی اصل بنیاد ہے۔ مرزا سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں نے مختلف فرقے، گروہ، جماعتیں اور قومیں بنالیں، انھوں نے اختلافات کی بنیاد ان رسوم پر رکھی، جو بہ طورِ خود اختیار کر لیں اور وہ مذہب کی بنیاد و اساس یعنی توحید کے تحفظ پر مبنی نہ تھیں۔ میں موحد ہوں، میرے سلسلے کا آغاز توحید سے ہوتا ہے جبکہ وہوں نے توحید کو مرکز نہ مانا اور الگ الگ رسوم کے پابند ہو گئے، وہ دراصل توحید پر ایمان میں سچے اور مخلص نہ تھے۔ اب ان اختیار کردہ رسوم کو ہم جس حد تک ترک کرتے جائیں گے اور توحید کو بنیاد و اساس بنائے رکھیں گے، اصل مقصد کے قریب تر ہوتے جائیں گے۔ گویا مختلف گروہوں کے درمیان کش مکش کے